ساڑھے تیرہ اگست!

چودہ اگست تین دن پہلے آیا، مکمل طور پر روایتی طریقے سے گزر گیا۔ وہی اُدھورے سے نعرے، وہی حد درجہ خوشی کا تاثر دینے کی سرکاری اور غیر سرکاری کوشش اور وہی نمائش۔ قومی آزادی کا دن سب سے اہم ہوتا ہے۔ واقعی مسرت کا لمحہ ہوتا ہے۔ اس پر کوئی دو رائے نہیں ہو سکتی۔ ہونی بھی نہیں چاہیے۔ آزادی کا مطلب کیا ہے۔ یہ ذرا آج کی مغلوب قوموں سے پوچھ کر دیکھیے۔ دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہی آزادی ہے۔ کسی بھی تصنع کے بغیر ملکی زندگی کا سب سے اہم دن۔ مگر آزادی کے کچھ مقاصد ہوتے ہیں۔ آزادی ایک بہت عظیم منزل ہے مگر پھر یہ ایک نشان بن جاتی ہے۔ وعدوں اور ترقی کی ایک شاہراہ کا روپ دھار لیتی ہے۔ خوشحالی، توانائی اور سنہری تعبیر بن جاتی ہے۔ سوال حد درجہ اہم ہے۔ آزادی کے حصول کے بعد کیا ہونا چاہیے تھا اور حقیقت میں کیا ہو رہا ہے۔ کیا واقعی ہم لوگ اس عظیم نعمت کے اہل بھی تھے یا نہیں۔ کیونکہ اس نعمت خداوندی کو جس طور پر ہماری قوم نے استعمال کیا ہے اس سے ذہن میں صرف اور صرف سوالات اُبھرتے ہیں۔ جن کا کسی قسم کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ دلیل پر سوال کرنا بھی اس ملک میں موت کو دعوت دینا ہے۔ مگر سوال نہ پوچھے جائیں تو زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔

جس طرح کی تاریخ ہمیں پڑھائی اور سمجھائی گئی ہے اس میں حد درجہ ابہام اور عجیب قسم کی مبالغہ آرائی ہے۔ اصل میں جو کچھ ہوا اور جو بتایا گیا، ان دونوں میں حد درجہ فرق ہے۔ صرف اپنے آپ سے ایک سوال کیجئے۔ جن مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے ہم نے آزادی حاصل کی تھی۔ کیا واقعی وہ عظیم مقاصد حاصل کر لیے گئے ہیں۔ کیا واقعی ہم آزاد ہیں؟ طالبعلم کا جواب مکمل طور پر نفی میں ہے۔ پہلے ہم برطانیہ کی کالونی تھے۔ اب ہم دیگر ملکوں کی چراگاہ ہیں۔ کیا چین، کیا امریکہ۔ ذکر کرتے ہوئے بھی دکھ ہوتا ہے۔ کیونکہ ان میں سے کسی ملک نے آزادی حاصل کرنے میں ہماری کوئی مدد نہیں کی تھی۔ مجھے ایک بھی واقعہ یاد نہیں۔ جس میں قائداعظم نے چین یا امریکہ کی طرف سے آزادی کیلئے معمولی سی بھی مدد مانگی ہو۔ مجھے کوئی ایسا مرحلہ یاد نہیں ہے کہ جس میں 1947 کی مسلم لیگ کی قیادت، کسی مسلم ملک کے حکمران کی قدم بوسی کیلئے گئی ہو۔ آزادی کیلئے دعا کروائی ہو۔ محمد علی جناح اور انکے ساتھی ایک سیاسی عمل سے کشید شدہ لوگ تھے۔ انہوں نے کسی بیرونی طاقت کی مدد کے بغیر، اپنی محنت اور بصیرت سے نیا ملک کھڑا کر دیا۔ مگر وہی آزاد ملک، آج مختلف طاقتور ملکوں کا زرخرید غلام ہے۔

ہمارے عظیم قائد نے نئی مملکت کے مقاصد متعدد بار بیان کیے ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قائداعظم کی موت کی وجہ سے پاکستان کو ایک نیا آئین جلد نہ مل سکا۔ انکی رہنمائی کی محرومی سے ملک ترقی نہ کر پایا۔ یہ صرف آدھا سچ ہے۔ قائداعظم نے تو انتہائی تفصیل سے نوزائیدہ پاکستان کے خدوخال بیان کیے تھے۔ ایک مرتبہ نہیں، بلکہ لاتعداد بار۔ انکی وفات کے بعد جن لوگوں نے حکومت سنبھالی، انہیں اس عظیم آدمی کے فرمودات اور فیصلوں سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لفظی طور پر تو وہ محمد علی جناح کی ستائش کرتے رہے۔ مگر عملی طور پر ہر وہ کام کیا، جو اس شخص کے فرامین کے مخالف تھا۔ قائد نے اقربا پروری کی بھرپور مخالفت کی تھی۔ انکی ہر دوسری تقریر میں اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو نوازنے سے نفرت کا اظہار کیا گیا تھا۔ اگر آپ خود اس کو پڑھنا یا دیکھنا چاہتے ہیں تو قائد کے متعلق کوئی بھی مستند کتاب اُٹھا لیجئے۔ اقربا پروری کو ایک ناسور قرار دیا گیا ہے۔ آج کے پاکستان پر عامیانہ سی نظر ڈالیے۔ ہوش ٹھکانے آ جائینگے۔ سیاسی پارٹیوں کی طرف دیکھیے۔ کوئی بھی ایسی سیاسی جماعت نہیں ہے جس میں موروثیت نہ ہو۔ ہاں، جماعت اسلامی میں ''امیر'' وراثت کے ذریعے نہیں بنتا۔ پیپلز پارٹی، نواز لیگ، جمعیت علماء اسلام فضل الرحمٰن گروپ، اے این پی، باپ، بیوی، بیٹا، بیٹی یعنی صرف اور صرف خاندان کی لیڈرشپ کے اُصول پر زندہ ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ باپ اگر لیڈر رہے، تو وہ دنیا کے مہنگے اور اعلیٰ ترین ہسپتالوں میں علاج کروا کر بڑے آرام سے نیم صحت مند رہتا ہے۔ اگر لقمہِ اَجل بن بھی جائے، تو بیٹا یا بیٹی بالکل تیار کھڑے ہوتے ہیں، انہیں فوری طور پر متبادل لیڈر بنا دیا جاتا ہے۔ سیاسی جماعت میں مخلص کارکنوں پر حد درجہ عدم اعتماد کیا جاتا ہے۔ اگر اقتدار کی ہما بیٹھی ہے تو صرف اور صرف اہل خانہ پر۔ باقی سب تالیاں بجانے کیلئے رکھے ہوتے ہیں۔ صرف ایک اسی نکتہ پر غور کیجئے۔ کیا یہ قائداعظم کے اقربا پروری کے خلاف حکم کی بھرپور خلاف ورزی نہیں ہے۔ جناح صاحب، اگر سیاسی موروثیت کے حق میں ہوتے، تو محترمہ فاطمہ جناح کو اپنا سیاسی جانشین مقرر کر دیتے۔ مگر انہوں نے ہرگز ہرگز ایسا نہیں کیا۔ انکے بھائی، بہنوں میں سے کسی کو بھی سیاست میں آنے کی جرات نہیں تھی۔ یہ ہے بلند کردار اور عظمت۔ مگر آج ہم مکمل طور پر اس عظیم شخص کے حکم کا مذاق اُڑا رہے ہیں۔ بس تسلیم نہیں کرتے۔

یقین فرمائیے۔ قائداعظم کے اقوال میرے سامنے موجود ہیں۔ پڑھنے کے بعد شرمندہ ہو رہا ہوں۔ لکھنے کو تو بہت سی چیزیں ہیں۔ مگر ان جملوں کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو زبان زد عام ہیں۔ قائد نے ''ڈسپلن''، یعنی نظم وضبط کے بارے میں کہا تھا کہ اس جوہر سے مشکل سے مشکل ترین منزل حاصل کی جا سکتی ہے۔ دل پر ہاتھ رکھ کر خود سوچیے۔ کیا نظم وضبط نام کی کوئی چیز ہماری قوم میں موجود ہے۔ برا نہ منائیے گا۔ ہم لوگ تو سیدھی قطار نہیں بنا سکتے۔ ہم تو ایک قطار میں کھڑے ہونے کی توفیق نہیں رکھتے۔ بے ترتیبی کی اس سے چھوٹی مثال اور کیا ہو گی۔ ریلوے سٹیشن، بس اڈا، سینما گھر یا کسی بھی پبلک جگہ پر چلے جائیے۔ لوگ کہنیاں مارتے ہوئے آپ سے آگے نکل جائینگے۔ کسی بھی جگہ کی مثال لے لیجئے۔ نظم وضبط کی عدم موجودگی کا شدت سے احساس ہو گا۔ اکثر دیکھا ہے، کہ ابھی ہوائی جہاز ائیرپورٹ پر لینڈ کر کے حرکت میں ہوتا ہے۔ متعدد مسافر، اپنی نشستوں کو چھوڑ کر سامان ہاتھ میں لیے دروازے کی جانب چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ بار بار منع کرنے کے باوجود بھی باز نہیں آتے۔ کیا واقعی، اس قوم میں ڈسپلن نام کی کوئی چیز موجود ہے۔ زبانی طور پر تو قائد کی حد درجہ تعریف کرتے ہیں۔ مگر عملی طور پر انکے ہر حکم کی تذلیل کرتے ہیں۔ پھر کسی شرمندگی کے بغیر خوب خوش رہتے ہیں۔

جناح صاحب نے پوری زندگی معاشی ناہمواری کی مذمت کی ہے۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے لیکر بمبئی اور دیگر اہم خطابات میں بار بار کہا ہے کہ ہم ایک ایسے ملک کو حاصل کرنے جا رہے ہیں جہاں مسلمانوں کو زیرِ دست نہیں رکھا جا سکے گا۔ نئے ملک میں کوئی معاشی استحصال نہیں ہو گا۔ ٹھہر جائیے۔ سوچیے۔ 1947 سے پہلے کاروبار پر ہندو چھائے ہوئے تھے۔ عام مسلمان اقتصادی طور پر بدحالی کا شکار تھا۔ مگر آج کیا حالات ہیں۔ پورا معاشی نظام، چند سفلی خاندانوں کے ہاتھوں میں یرغمال ہے۔ کھاد کے کارخانوں سے لیکر، بجلی گھروں تک۔ چینی کی ملوں سے لیکر زمین کی خرید و فروخت تک۔ کوئی مٹھی بھر خاندان ہیں، جو تمام وسائل پر قابض ہیں۔ ان میں سے اکثریت اپنے مالی مفادات کی حفاظت کیلئے سیاست سے وابستہ ہیں اور بھرپور طریقے سے کامیاب ہیں۔ ذاتی ہوائی جہازوں میں سفر کے علاوہ کسی ائیرلائن میں سفر کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ یہ سینکڑوں محافظوں کے درمیان رہتے اور خوب اچھی طرح رہتے ہیں۔ قائد کے حکم کے برعکس، عام آدمی معاشی طور پر آج بھی انہی کا غلام ہے۔ ہندوؤں کی غلامی سے نکل کر ہم مسلم سیٹھ کی چوکھٹ پر سرنگوں ہیں۔

چودہ اگست آیا اور بینڈ باجے میں گزر گیا۔ نوجوانوں نے موٹر سائیکل کے سائیلنسر نکال کر خوب کرتب دکھائے۔ چین کی بنی ہوئی پلاسٹک کی توتیوں سے خوب ہلا گلا ہوا۔ ٹی وی پر لاتعداد، بے مقصد سے پروگرام کیے گئے۔ پروگرام کا لفظ مناسب نہیں۔ تماشے کیے گئے۔ مگر کسی ایک نے ہمیں یہ بتانے کی جسارت نہیں کی، جرات نہیں کی، کہ ہمارا پورا ملکی نظام، قائداعظم کے فرمودات اور احکامات کے منافی چل رہا ہے۔ اور دھڑلے سے چل رہا ہے۔ اقربا پروری، کرپشن، نظم وضبط کی عدم موجودگی، معاشی ظلم سب کچھ ڈنکے کی چوٹ پر ہو رہا ہے۔ دراصل ابھی تک ہم محمد علی جناح کے بتائے ہوئے اُصولوں کی طرف گامزن ہی نہیں ہو پائے۔ ہمارا چودہ اگست تو اصل میں آیا ہی نہیں۔ یہ تو ساڑھے تیرہ اگست ہے۔ شائد سو، دو سو سال بعد محمد علی جناح کا چودہ اگست آ جائے!